DOI: https://doi.org/10.52015/daryaft.2022.v14-i01.208

Daryaft

Vol. 14 Issue No. 1 (June 2022)

Journal Home Page: http://daryaft.numl.edu.pk/index.php/daryaft

E ISSN:2616-6038, P ISSN:1814-2885

Psychological and Sexual Study of the Characters of Prem Chand's Story "Bhoot"

Dr. Muhammad Sulaiman [1] & Dr. Badsha Munir [2]

1. Lecturer Department of Urdu Islamia College University Peshawar
2. Associate professor Department of Urdu University of Peshawar

ABSTRACT

Article History:

Received: February 10, 2022
Revised: April 02, 2022
Accepted: May 10, 2022
Available Online: June 30, 2022

Keywords:
Prem Chand, Character, Psychology, sexuality, Human, Story, Society.

Funding:
This research received no specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Prem Chand was a great fiction writer of Urdu language and literature. He understood the requirements of art fiction writing. He had studied the works of world famous fiction writers and intellectuals. He was fully aware of social attitudes and human psychology. In the novel "Bhoot" he has described the psychological and sexual references that arise from defective family traditions and customs. This story teaches that the practice of giving birth to one and there should be abolished because it has deadly and negative effect on the family and society.

This work is licensed under a Creative Commons Attribution-NonCommercial 4.0 International License (CC BY-NC 4.0)

"پریم چند کا افسانہ "بھوت" کے کرداروں کا نفسیاتی و جنسیاتی مطالعہ "

ڈاکٹر محمد سلیمان

شعبہ اردو اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

ڈاکٹر بادشاہ منیر

ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو پشاور یونیورسٹی

پریم چند نے "نواب رائے" کے فرضی نام سے افسانوی دنیا میں قدم رکھا اور ۱۹۰۷ میں "دنیا کا سب سے انمول رتن" کے عنوان سے اپنا پہلا افسانہ لکھا۔ پھر ایک سال بعد "سوز وطن" کے نام سے ان کی پانچ کہانیوں پر مبنی مجموعہ شائع ہوا۔ انہوں نے اپنی ان اولین کہانیوں میں ملکی سیاست، اور وطن پرستی پر خاص توجہ صرف کی۔ پرچم چند جہاں جذبہ حب الوطنی اور زندگی سے منسلک بنیادی مسائل کو فروغ دے رہے تھے وہاں دوسری طرف سجاد حیدر یلدرم رومان اور جذبہ حسن و عشق کے پرکشش راگ الاپنے میں مگن رہے اور راشد الخیری ایک کونے میں بیٹھے اصلاحی جذبات لیے خود کو منوا رہے تھے۔ یہ دور افسانے کے لیے تشکیلی، تجرباتی اور ہیتی لحاظ سے جستجو کا دور تھا۔

۱۹۱۴ میں شائع ہونے والا افسانہ "وکرمادت کا تیغہ" پریم چند کا وہ پہلا افسانہ تھا جو ان کے حقیقی نام سے منظر عام پر آیا۔ گویا اسی افسانے سے ان کی افسانہ نگاری کے جدید دور کا آغاز ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنے پہلے دور میں مصلح قوم بن کر تاریخی کہانیاں لکھیں۔ پھر دوسرے اور تیسرے دور کے افسانوں میں ہندوستانی دیہات کی معاشی و معاشرتی زندگی اور متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے ہندو گھرانوں کی جہالت و پستی، بے بسی ولاچاری اور بے جا رسومات و روایتوں کی بڑی مؤثر تصویریں پیش کی ہیں۔ سید احتشام حسین ان کے ذہنی ارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں:

> "پریم چند کا ذہن ارتقاء پذیر تھا۔ ان کا فن حالات کے ساتھ ترقی کر رہا تھا۔ ان کے خیالات واقعات کی رفتار کا ساتھ دے رہے تھے۔ وہ ہندوستانی عوام کی روح میں اتر کر ان کے دکھ درد، ان کے کرب واضطراب، ان کی مایوسی اور امید، ان کے خوابوں اور خیالوں کو دیکھ سکتے تھے۔ وہ انہیں اس جال سے نکال کر ایک بہتر زندگی کا خلعت دینا چاہتے تھے۔ جس میں وہ صدیوں سے جکڑے ہوئے تھے۔ وہ براہ راست عوام کے پاس گئے اور ان کی تکلیفوں اور خوشیوں میں شریک ہوئے"۔(۱)

دراصل پریم چند انسان سے محبت کرنے والے اور عوام دوست فن کار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے جہاں اپنے زمانے کے بدلتے ہوئے معاشرتی، معاشی اور سیاسی حالات وواقعات کی ترجمانی کی وہاں فرد کی انفرادی

زندگی اور داخلی جذبات واحساسات کا ماہرانہ اور عمیق مشاہدہ کیا۔ فرائیڈ اور مارکس کے نظریات کے زیر اثر، انسان کے جنسی اور نفسیاتی حوالوں کے علاوہ اس کی فطرت کی پوشیدہ تہوں تک رسائی کی سعی کی۔ انہوں نے محض خیر وشر، نیکی وبدی اور رائج معیوب رسم روایتوں اور رواجوں کو بے نقاب نہیں کیا بلکہ ان سے پھوٹنے والے نفسیاتی محرکات وہیجانات اور نقائص کو بھی زور وشور کے ساتھ بیان کیا۔ انہوں نے ہندوستانی زندگی میں رونما ہونے والے انقلابات کا بھرپور اظہار کیا اور ادب میں سائنسی عقلیت پسندی کو فروغ دینے کی کوشش کی اور اپنی کہانیوں کے ذریعے سے مذہب، خاندان، جنگ، جنس اور معاشرے کے بارے میں ماضی پرستی اور رجعت پسندی کے تصورات روکنے کی سعی کی۔

پریم چند نے اپنی کہانیوں میں سماج، معاش اور خاندانوں سے پھوٹنے والے منفی رویوں اور ذہنی ہیجانات کی منفرد اور انوکھی تصویریں پیش کی ہیں۔ زیر نظر افسانہ "بھوت" موضوع اور کہانی کے لحاظ سے الگ نوعیت کا افسانہ ہے۔ اس میں عجیب اور معیوب خاندانی روایت اور معاشی بدحالی سے جنم لینے والے نفسیاتی محرکات، مجبوریوں اور ذہنی ہیجانات وکش مکش کی نقاب کشائی کی گئی ہے۔

قول ہے کہ اولاد ایک بہت بڑی نعمت ہے۔ بچہ جب چھوٹا ہوتا ہے تو والدین کے لیے کھلونا اور جب بڑا ہو جاتا ہے تو والدین کے بڑھاپے کا سہارا بنتا ہے۔ بعض جوڑوں کو اس پیارے کھلونے اور قیمتی سہارے سے اللہ ساری عمر محروم کر دیتا ہے۔ بعضوں کو بیٹا عطا کرتا ہے تو بیٹی کوئی نہیں اور بعضوں پر بیٹیوں کی برسات کر دیتا ہے اور بیٹا کوئی نہیں۔ اور بعضوں کو دونوں (بیٹا بیٹی) یا دونوں میں سے ایک سدا کا معذور دیتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک صورت میں والدین عجیب ذہنی کیفیات (احساس کمتری اور احساس محرومی) سے دوچار ہو کر بے پناہ اذیتوں اور مشکلات کا سامنے کرتے ہیں۔ ان میں سے بعضوں کو ظالم سماج اور خاندان کے طعنوں کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی ان محرومیوں کو منشائے الٰہی سمجھ صبر شکر کر لیتا ہے اور کوئی عجیب راستے کا انتخاب کر کے اپنے کسی عزیز رشتہ دار سے بیٹا یا بیٹی مانگ کر اپنی جھولی بھر لیتا ہے۔ آج کل یہ تمنائیں اناتھ آشرم سے بھی پوری کی جاتی ہیں۔

مذکورہ افسانے میں ایسا ہی ایک جوڑا (پنڈت ستیار تھ چوبے اور منگلا) ہے جسے قدرت نے بیٹی سے محروم رکھا ہے۔ پنڈت ایک شہرت یافتہ وکیل ہے اور منگلا ایک گھریلو ہندوستانی عورت ہے۔ ان کے تین بیٹے ہیں۔ منگلا بیٹی کا خلا پر کرنے کے لیے اپنی سوتیلی ماں سے اپنی بہن بند ھیشوری لے آتی ہے۔ یہاں پر ترقی پسندی کا حوالہ بھی موجود ہے۔ اگر بند ھیشوری جسے پیار سے دونوں بنی کہتے تھے، کے والدین مفلس اور قلاش نہ ہوتے تو وہ کبھی بھی اپنے جگر گوشے کو اس طرح ہمیشہ کے لیے خود سے جدا نہ کرتے۔ لیکن غربت اور بھوک انسان سے کچھ بھی کروا سکتی ہے۔

جب بنی جوان ہوئی تو اس کے لیے ایک خوبصورت اور قابل دولہا تلاش کیا گیا۔ بہت سارا جہیز بھی تیار کر لیا گیا۔ لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ رخصتی میں کچھ ہی دن رہتے تھے کہ منگلا کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی۔ وہ ایک نباض شناس عورت تھی۔ نیم نزع کی حالت میں اپنے شوہر سے سوال وجواب میں وصیت کرتی ہے:

"ایک بات پوچھتی ہوں، بُرا نہ ماننا۔ بنی تمہاری کون ہے؟

پنڈت جی "بنی کون ہے۔ میری بیٹی ہے اور کون؟

منگلا "ہاں میں تمہارے منہ سے یہی سننا چاہتی تھی۔ اسے سدا اپنی بیٹی سمجھتے رہنا"۔ (۲)

بیوی کا یہ استفہامیہ انداز شوہر کے ذہنی محرکات اور نفسیاتی اتار چڑھاؤ آشکارہ کر رہا ہے۔ دراصل جب منگلا حیات تھی تو وہ اپنے شوہر کے دل میں بنی کے لیے پدرانہ جذبات واحساسات جگا کر متحرک رکھتی تھی۔ اسے اپنے شوہر پر بھروسہ نہیں تھا۔ شاید اسے خدشہ تھا کہ میرے جانے کے بعد وہ بنی کو پرائی اولاد جان کر پھینک دے گا یا شاید اسے خوف تھا کہ وہ اسے کہیں میری جگہ نہ دے دیں۔ بڑھاپے میں شریک حیات کا سورگباش ہونا، برسات میں گھر کے گرنے کے مترادف ہوتا ہے پھر اس کے بننے کی آس مفقود ہو جاتی ہے۔ منگلا کی بے وقت رحلت نے پنڈت کو بری طرح اداس اور مایوس کر دیا تھا۔ لیکن بنی سے اسے سنبھالا، ہمت وحوصلہ دیا۔ ہر طرح سے اس کا خیال رکھا، خدمت کی:

> "ان کی حالت دیکھ کر دل میں کڑھتی تھی اور حتیٰ الامکان ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتی۔ ان کے لیے انواع واقسام کے کھانے تیار کرتی اور انہیں ضد کر کے کھلاتی جب تک وہ نہ کھاتے آپ کچھ نہ کھاتی۔ رات کو بڑی دیر تک ان کے پائنتے بیٹھی پنکھا جھلا کرتی اور جب تک وہ سو نہ جاتے تو آپ بھی سونے نہ جاتی وہ ذرا بھی درد کی شکایت کرتے تو فوراً سر میں تیل لگاتی یہاں تک کہ رات کو جب انہیں پیاس معلوم ہوتی تو وہ دوڑ کر آتی اور انہیں پانی پلاتی۔۔۔۔ بندھیشوری کے متعلق اب ان کے دل میں ایک نیا خیال پیدا ہو رہا تھا"۔ (۳)

منہ بولی بیٹی کی اس دیکھ بھال اور بے پناہ نگہداشت نے پنڈت کی تنہائیوں اور اداسیوں کو تو کنارے لگا دیا لیکن اس کا منفی اثر یہ ہوا کہ پنڈت اسے رومان پرور نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ وہ اپنے مرجھائے ہوئے جسمانی اعضاء میں پھر سے شباب کی حرارت محسوس کرنے لگا۔ اور اس رشتے کو ہمیشہ کی پختگی دینے اور قربتوں کو مزید بڑھانے کے لیے تاویلیں اور ترکیبیں سوچنے لگا۔ "بنی کو میں اپنی لڑکی سمجھتا تھا، مگر وہ میری لڑکی تو نہیں۔ اس طرح سمجھنے سے کیا ہوتا ہے؟ کون جانے ایشور کو یہی منظور ہو ورنہ بنی یہاں آتی ہی کیوں؟ اس نے اسی حیلے سے یہی ملاپ تجویز کر دیا ہو گا، اس کی لیلا کوئی کیا جانے"۔ (۴)

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اپنوں کی موت دکھ، غم اور بے چینی دیتی ہے ذہنی ونفسیاتی طور پر ڈی پریشن اور تنہائیوں کا شکار بناتی ہے۔ بعض اوقات کسی پیارے کی موت پر انسان ذہنی توازن کھو بیٹھتا ہے۔ بعض اوقات خودکشی کو راہ نجات سمجھ لیتا ہے۔ مگر بھلا ہو، بنی کا کہ جس کے پیار اور نگہداشت نے پنڈت کو ان پریشانیوں اور کریہہ عوامل سے دور رکھا۔ منگلا کے جانے کے بعد اس نے وکیل صاحب کو ایک صحت مند اور مسرتوں بھری زندگی دی۔ وہ تو اسے "بھیا" کہہ کر پکارتی تھی، لیکن اس بھیا کے دماغ میں کون سے جذبات اور کیا کھچڑی پک رہی تھی، سے نابلد تھی۔

یہاں پر ایک دو سوالات جنم لے رہے ہیں کہ پنڈت اپنی بیٹی کو بیوی کے روپ میں کیوں دیکھ رہا ہے؟ وہ خود تقریباً ساٹھ کی پیٹی میں تھا۔ وہ جوانی کے گرم شعلوں کی تاب لا سکتا تھا؟ کہیں وہ بنی کی جوانی اور زندگی کو تباہ تو نہیں کر رہا تھا؟ ان سوالات کے کئی ممکنہ جوابات ہو سکتے ہیں۔

عام مشاہدہ ہے کہ عورت کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے اس کا مادرانہ جذبہ قوی تر ہوتا جاتا ہے۔ پھر ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ وہ ہر بچہ کو اپنا بیٹا سمجھنے لگتی ہے۔ احمد ندیم قاسمی کی کہانی "مائی" اسی لازوال، پر خلوص اور عالم گیر محبت کو واضح کر رہی ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وقت کے گزرنے اور عمر کے ڈھلنے کے ساتھ عورت کے زاویہ نظر، جذبات واحساسات اور خواہشات میں واضح تبدیلیاں آتی ہیں۔ زندگی کے نشیب وفراز، درد وغم اور اولاد کی فراوانی اسے نچوڑ کر کے رکھ دیتی ہے۔ جنسی ونفسانی خواہشات لاشعور میں دب کر رہ جاتی ہیں۔ لیکن مرد حضرات اس نوع کے نہیں ہوتے۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ جنسی خواہشات میں مزید اضافہ اور پیاس میں مزید شدت آنے لگتی ہے۔ جسم میں حرارت اور جنسی طاقت ہو یا نہ ہو، صنف نازک کی کشش اس کے لیے کبھی ماند نہیں پڑتی۔ جنسی آسودگی پانے کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے اور کسی حد تک بھی جا سکتا ہے۔ یہ اپنی عمر کے ہر حصے میں جنسی لذتوں ولطائف کا بھوکا ہوتا ہے۔ ہاں عمر کے حساب سے جنسی آسودگی اور لذتوں کے ذرائع اور طریقے بدل جاتے ہیں۔ خصوصاً بڑھاپے میں جب تمام اعضاء جواب دے جاتے ہیں۔ تو وہ اپنی جنسی سیر ابی کے لیے صنف نازک کی خوشامد کرتا ہے، بے پناہ تکلفات سے کام لیتا ہے، آنکھوں میں مسکراہٹ اور زبان پر شیریں کلامی لاتا ہے اور کبھی پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے سے جنسی خط اٹھاتا ہے۔ (یہ یاد رہے کہ تمام مرد ایسے نہیں ہوتے)۔

بھوک چاہے پیٹ کی ہو یا جنس کی، دونوں کا وار بہت شدید اور بھیانک ہوتا ہے۔ جنس کی بھوک سے مغلوب انسان اپنی آسودگی کی خاطر نہ تو رشتوں کی اہمیت وتقدس کو دیکھتا ہے اور نہ اپنی عمر اور اخلاقی ومذہبی پابندیوں کو خاطر میں لاتا ہے وہ اندھا دھند ہر صورت آگے بڑھتا ہے۔ انسان کے جنسی تقاضے بڑے رنگارنگ اور متنوع ہیں۔ ڈاکٹر رئیس امروہوی لکھتے ہیں:

> "آدمی جس طرح کثیر الغذا مخلوق ہے۔ یعنی شیر کی طرح صرف گوشت پر بھی زندگی بسر کر سکتا ہے اور بھیڑ کی طرح عمر بھر گھاس چر کر بھی زندہ رہ سکتا ہے اسی طرح وہ جنسی اعتبار

سے بھی معجون مرکب واقع ہوا ہے۔ انسان کے جنسی تقاضے اتنے رنگارنگ، اتنے گوناگوں اور اتنے پرپیچ ہوتے ہیں کہ بیک نظر ان کو سمجھنا تقریباً ناممکن ہے"۔ (۵)

اوپر کے پیرا گراف سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ انسان کو اگر پیٹ کی بھوک نہ ہو تو وہ اپنی جنسی بھوک مٹانے کے لیے وقت اور عمر کا لحاظ نہیں کرے گا۔ اس لیے یہاں پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت نے اپنے جنسی تقاضوں کی تکمیل کے لیے بنی کو بیوی کے طور پر منتخب کیا۔

اگلا سوال یہ تھا کہ پنڈت عین بڑھاپے میں ایک جوان دوشیزہ سے شادی کا خواہش مند ہے۔ عمر کے اس حصے میں وہ بھڑکتے شعلوں کا سامنا کر سکے گا؟

زیادہ تر ماہرین جنسیات ونفسیات اس بات پر متحد ہیں کہ مرد میں جنسی قوت اور جنسی تحریک گردش وقت کے ساتھ کم ضرور ہوتی ہے، لیکن مکمل ختم نہیں ہوتی اور بعض دفعہ تو بعض مردوں میں اس کی تخفیف بھی دیکھنے میں نہیں آتی۔ یہ ایک سائنسی حقیقت ہے کہ بڑھاپے کے آنے کے ساتھ ہی اندرونی وبیرونی جسمانی اعضاء سکڑ کر کمزور ہو جاتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کی بینائی نحیف ہو جاتی ہے، ہاتھوں کی طاقت رعشہ میں بدل جاتی ہے حافظہ کمزور اور معدہ زود ہضم کی عادت چھوڑ دیتا ہے۔ کمر میں میں جھکاؤ اور ٹانگوں میں لڑکھڑاہٹ آجاتی ہے۔ اسی طرح جنسی کارکردگی وقت کے ساتھ کمزور ہوتی ہے مگر مکمل طور پر ختم یا ناکارہ نہیں ہوتی۔ اس حوالے سے پروفیسر ارشد جاوید لکھتے ہیں:

> "دوسرے بہت سے مفروضوں کی طرح یہ بھی ایک نہایت غلط اور احمقانہ مفروضہ ہے۔ جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگرچہ عمر بڑھنے کے ساتھ ساتھ فرد کے جنسی عمل میں کچھ تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ تاہم اگر فرد کی عمومی صحت ٹھیک رہے تو وہ مرتے دم تک جنسی عمل کے قابل ہوتا ہے۔۔۔ فرد مرتے دم تک مباشرت اور بچے پیدا کرنے کے قابل ہوتا ہے"۔ (۶)

ایک معروف کہاوت ہے کہ گھوڑا اور مرد کبھی بڈھے نہیں ہوتے۔ اگر مرد جسمانی طور پر صحت مند وتوانا ہے اور کسی ذہنی ونفسیاتی مسئلے اور جسمانی عارضے کا شکار نہیں ہے تو وہ صد سال تک جنسی کارکردگی دکھا سکتا ہے۔ سن رسیدہ فرد کی جنسی قوت کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر رقمطراز ہیں:

> "یہ ایک عام اور تسلیم شدہ حقیقت سمجھی جاتی ہے کہ ادھیڑ عمر کے بعد ایک مرد جنسی لحاظ سے سرد اور کمزور ہوتا جاتا ہے جبکہ ایک لڑکی۔۔۔ کیونکہ وہ نوجوان ہے۔۔۔ لازماً جنسی لحاظ سے قوی تر ہوگی۔ مگر یہ سو فیصد درست نہیں کیونکہ ایک نوجوان لڑکی میں جنسی بھوک کی کمی ہو سکتی ہے جبکہ اس کے مقابلے میں ایک زیادہ عمر کا نسبتاً بوڑھا مرد جنسی اشتہا کے لحاظ سے دیو ہو سکتا ہے"۔ (۷)

اوپر کی بحث سے یہ بات کسی حد تک واضح ہو گئی کہ پنڈت بوڑھا ضرور ہو گیا ہے لیکن ابھی بھی اس کے سینے میں جوان دل دھڑکتا ہے وہ بنی کو وہ تمام خوشیاں اور سکھ دے سکتا ہے جن کے اس نے خواب بن رکھے ہیں۔

پنڈت کی بنی سے شادی کی تمنا کو مزید پرکھنے سے یہ نکتہ سامنے آتا ہے کہ اسے واقعی ایک ہم سفر کی ضرورت تھی۔ اس کے لاشعور میں منگلا کی صورت میں بیوی کا تصور موجود ہے، منگلا کے جانے کے بعد وہ خود کو ادھورا محسوس کر رہا ہے، وہ اپنے اندر ایک خلا پا رہا ہے، تنہائی محسوس کر رہا ہے، وہ بیوی کی قربتوں کا شدید خواہاں ہے، وہ اپنے دکھ سُکھ کا ساتھی کھو کر شدید پریشانیوں میں مبتلا ہے وہ کسی طرح یہ خلا پر کر دینا چاہتا ہے۔ اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بنی کو محض اشتہا کی نظروں سے نہیں دیکھتا بلکہ اسے بیوی کے روپ بلکہ منگلا کے روپ میں دیکھنے کا آرزو مند ہے، یہاں یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس نے اپنے اس خلا کو پر کرنا ہی تھا تو اس کے لیے اس نے بند ھیسٹوری کا انتخاب کیوں کیا؟ جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ پنڈت بیوی کے مرنے کے بعد ایک دم اکیلا رہ گیا تھا۔ وہ اپنے راز و نیاز کے ساتھی کو کھو چکا تھا۔ ایسے میں بنی اس کا ہاتھ تھام لیتی ہے۔ وہ دانستہ یا نادانستہ طور پر پنڈت کی اتنی زیادہ خاطر خدمت کر لیتی ہے کہ منگلا کو بھی مات دے دیتی ہے۔ خیال، خدمت اور نگہداشت کی گرم جوشی کا یہ نتیجہ نکلا کہ پنڈت اسے منگلا کی جگہ بٹھانے کے خواب دیکھنے لگا۔

پنڈت کا بنی کی جانب جھکاؤ کو تیسرے زاویہ سے دیکھتے ہیں۔ بنی نے اپنا بچپن پنڈت اور منگلا کی گود میں گزارا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے اسے حد سے زیادہ لاڈ پیار دیا تھا۔ ان دونوں نے اسے سگی اولاد کی طرح عزیز رکھا تھا۔ جس وجہ سے بنی کے ساتھ پنڈت کی جذباتی و نفسیاتی ہم آہنگی بن چکی تھی۔ بعض اوقات قدرت بھی عجیب کھیل، کھیل لیتی ہے۔ ادھر بنی کی رخصتی میں ایک ہفتہ کی دیر تھی کہ منگلا کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ ایسے میں پنڈت کے لیے ایک ساتھ دو بڑے غموں کا سامنا کرنا انتہائی مشکل تھا۔ منگلا کی موت کے بعد وہ بنی کو رخصت کرنے کے قابل نہ تھا۔ اس لیے اس نے بنی کو رخصت کرنے کی بجائے اپنا شریک سفر بنانے کا ارادہ باندھا۔

کہانی میں اگلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ بنی اپنے باپ کی چند شیریں اور جذباتی باتوں سے اتنی جلدی مرعوب کیوں ہو جاتی ہے؟ وہ اپنے باپ کی عمر کے برابر کے مرد سے بلکہ اپنے منہ بولے باپ سے اتنی آسانی سے شادی کے لیے کیوں راضی ہو جاتی ہے؟

دراصل بنی اپنے باپ کی گود میں پل کر جوان ہوئی تھی۔ اسے اپنے باپ سے جذباتی لگاؤ تھا۔ باپ نے اس کی تمام ضرورتوں اور خواہشات کا خیال رکھا تھا۔ نفسیاتی طور پر دیکھا جائے تو بچی کی زندگی میں پہلا آنے والا شخص اس کا باپ ہوتا ہے۔ باپ ہی اس کا آئیڈیل مرد ہوتا ہے۔ اسے اپنا پہلا محبوب باپ کی صورت میں ملتا ہے بچی کے ذہن میں باپ کی شخصیت بڑی عجیب قسم کی ہوتی ہے۔ باپ گھر کا حکمران اور ان داتا ہوتا ہے۔ بچی اور گھر کے باقی افراد کی خواہشات کی تکمیل باپ کرتا ہے۔ گھر کا ہر فرد اس کے سامنے بے بس اور لاچار نظر آتا ہے۔ ہر کوئی اسی سے مانگتا

ہے۔ سب گھر والوں کو اسی کا حکم ماننا پڑتا ہے۔ وہ اپنی پسند وناپسند کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور سب کو عاجزی کے ساتھ سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔ ایسے حالات میں بچی کا اُسے آئیڈیل بنا لینا ایک فطری عمل ہے۔ در حقیقت بنی کا پنڈت کی طرف جھکاؤ بچپن ہی سے تھا۔ پھر منگلا کی موت نے اسے مزید بڑھاوا دیا۔ فرائیڈ کا نظریہ "الیکٹراالجھاؤ" کے مطابق لڑکی کو بچپن ہی سے باپ سے ایک فطری لگاؤ ہوتا ہے۔ اگر اس لگاؤ کو باپ کی محبت، توجہ اور نظر کرم حاصل ہو جائے تو یہی پدریت آنے والے دنوں میں اس کا آئیڈیل بن جاتی ہے۔ یہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ بنی "الیکٹراالجھاؤ" جسے اردو میں "عشق پدری" کا نام دیا گیا ہے، کا شکار تھی۔

"لڑکی خود آپ سے محبت کرتی ہے اور خارجی دنیا میں جنسی تسکین کے لیے باپ کی طرف جاتی ہے۔ باپ سے محبت بڑھتی ہے۔ اس کی یہ محبت بھی جنسیاتی ہوتی ہے۔ فرائیڈ کا خیال ہے کہ بچی بھی بچہ کی طرح خارجی دنیا میں پہلے ماں ہی کو تسکین کا ذریعہ بناتی ہے لیکن اسے ہم جنس پاکر اس کی داخلی دنیا میں بغاوت کے عناصر جنم لیتے ہیں۔ وہ ماں کے خلاف باغی ہونا چاہتی ہے اور اسی الجھن کو (Castration complex) کہتے ہیں۔ وہ باپ کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اور اسے مخالف صنف پاکر خود کو اس میں جذب کرنے کی کوشش کرتی ہے"۔[۸]

بنی جس باپ کی گود میں کھیل کر جوان ہوئی تھی۔ اسی کی بے پناہ محبت اور لاڈ نے اسے آسمان کا تارا بنادیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر باپ کو اپنا محبوب بنا چکی تھی۔ لیکن سماج مذہب، اخلاق اور خاندانی روایتوں نے اس کی محبت کو لاشعور میں دبا کر رکھا تھا۔ ان لاشعوری محرکات کو اس وقت کھل کر باہر آنے کا موقع ملا جب منگلا کی آنکھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گئیں۔ منگلا کے جانے کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اس وقت تک کھانا نہ کھاتی جب تک باپ نہ کھاتے اور اس وقت تک نہ سوتی جب تک وہ نہ سو جاتے۔ وہ باپ کی خدمت اور خیال رکھنے میں حد درجہ مشاق ہو گئی کیونکہ اس کی لاشعوری خواہشات کو عملی جامہ ملنے والا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر خود کو منگلا کی جگہ دیکھنے کی تمنا رکھتی تھی۔ لیکن مذہبی، خاندانی و معاشرتی پابندیاں راستے میں حائل تھیں۔ منگلا کے سورگباش ہوتے ہی اس کے راستے میں حائل رکاوٹیں اور کانٹے صاف ہو گئے تو بغیر کسی حجت کے بڑی سرعت کے ساتھ شادی کے لیے راضی ہو گئی۔

دولہا دلہن دونوں ایک ہی چھت تلے موجود تھے، شادی ہو گئی۔ سہاگ رات جو کسی بھی جوڑے کے لیے امنگوں اور مسرتوں بھری رات ہوتی ہے۔ یہ زندگی کی ایک خاص اور پرکشش رات ہوتی ہے۔ لیکن پنڈت اور بنی کے لیے یہ رات ایک ڈراؤنا خواب بن جاتی ہے۔ دونوں اس رات عجیب ذہنی ونفسیاتی الجھنوں، کش مکش اور عوارض کا سامنا کرتے ہیں۔ دراصل ان دونوں کی شادی کوئی عام شادی نہیں تھی۔ دونوں نے معاشرتی واخلاقی قدغنوں اور منگلا کی وصیت سے روگردانی کی تھی۔ دونوں نے بیک وقت شعور کی انا (Ego) کو بہلا پھسلا کر، کسی طرح دھوکہ دے کر راضی کر لیا اور لاشعوری خواہشات کو منظر عام پر لے آئے۔ لیکن ان کی فوق الانا (Super Ego) ان کے

لاشعوری محرکات کو معاشرتی، تہذیبی، اخلاقی، روایتی اور مذہبی پابندیاں یاد دلا کر ڈراتی ہے۔ اور منگلا کی آخری وصیت کہ "بنی کو اپنی بیٹی ہی سمجھنا" تحت الشعور سے نکل کر بار بار شعور پر آکر دستک دیتی ہے۔ یہاں ان دونوں کا شعور اور لاشعور بڑے شدومد اور عجیب طریقے سے آپس میں برسرپیکار ہیں۔ دونوں سمجھ نہیں پا رہے کہ ہم کیا تھے اور کیا سے کیا ہوگئے، ہم نے یہ کیا کرلیا، ہم سے یہ سب کیونکر ہوا؟ ان دونوں کو ان کی فوق الانا یاد دلا رہی ہے کہ پنڈت یہ تو تمہاری بیٹی ہے اور بنی یہ تو تمہارا باپ ہے۔ اس طرح دونوں نفسیاتی طور پر انگزائٹی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اسی تشویش اور مدہوشی کے عالم میں منگلا بھوت کی شکل میں پنڈت کے روبرو ایستادہ ہو جاتی ہے۔

> "دفعتاً پنڈت جی چونک پڑے اور ان کے دونوں ہاتھ مینڈک کے پیروں کی طرح سکڑ گئے۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔ کھڑکی سے منگلا اندر جھانک رہی تھی۔ منگلا تھی، سایہ نہیں، منگلا تھی۔ مجسم اور زندہ اس کی آنکھیں غصہ اور حقارت سے معمور تھیں"۔[۹]

شدید ذہنی ہیجان میں مبتلا ہو کر اسے ہر سُوں منگلا ہی منگلا نظر آتی ہے۔ اس طرح وہ منگلا کے بے جا خوف (Phobia) کا شکار ہو جاتا ہے۔ دراصل منگلا کا یہ بھوت پنڈت کا غیر اخلاقی عمل یا گناہ کی مجسم صورت تھی۔ جو اسے اس کی فوق الانا منگلا کی صورت میں دکھلا رہی تھی۔ ابھی وہ اسی فوبیا میں غرق تھا کہ کمرے کے ہر ایک گوشے، ہر ایک شے سے اسے منگلا کی آواز سُنائی دیتی ہے کہ "بنی تمہاری لڑکی ہے"۔ یہاں صاف طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس کی فوق الانا اسے بنی کی قربت میں جانے سے منع کر رہی ہے، خوف زدہ کر رہی ہے۔ اس شعوری ولاشعوری کش مکش میں پنڈت نفسیاتی بیماری انشقاق ذہنی (شائزوفرینیا) کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے ایسی صدائیں سنائی دیتی ہیں جس کا حقیقیت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شائزوفرینیا کے بارے میں خالد سہیل لکھتے ہیں:

> "مریض اپنے ہی خیالات آوازوں کی صورت میں سنتا ہے مریض کو ایک ایسی غائبانہ آواز سنائی دیتی ہے جو اس کے ہر کام پر اپنی رائے دیتی رہتی ہے۔ مریض عجیب وغریب واہمے کا شکار ہو جاتا ہے۔ (delusional percept) کوئی چیز دیکھتا ہے اور ساتھ ہی کسی ایسی چیز پر یقین کرنے لگتا ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا"۔[۱۰]

اس پورے افسانے میں ایک جانب غلط اور معیوب رواجوں اور روایتوں کی نشاندہی کی گئی ہے تو دوسری جانب مرد کی بے پناہ جنسی خواہشات اور ان خواہشات کی تسکین کے لیے وہ جن غیر اخلاقی، غیر مہذب اور عجیب راستوں کا انتخاب کرتا ہے، کا پول کھولا گیا ہے۔ علاوہ ازیں کہانی میں یہ بتانے کی سعی کی گئی ہے کہ ہمارے معاشرتی وخاندانی نظام میں یہ معیوب اور نازیبا رسم وروایت سرایت کر چکی ہے کہ جس جوڑے کے ہاں بچے نہیں ہوتے تو اس بانجھ جوڑے کو اس کے عزیز ورشتہ دار اپنی اولاد دے دیتے ہیں۔ والدین کا یہ عمل بچے اور بچی کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ وہ چونکہ اس کی حقیقی اولاد نہیں ہوتی اس لیے بچے کی صحیح اصولوں پر ذہنی وجسمانی نشوونما اسی طرح

ممکن نہیں ہو پاتی جس طرح حقیقی والدین کرتے ہیں۔ نتیجتاً بچہ کئی احساس کمتریوں، محرومیوں، ذہنی پیچیدگیوں اور نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور سماج کو ایک صحت مند و توانا انسان کی جگہ سدا کا بیمار اور نحیف انسان میسر آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ بیٹے یا بیٹی سے محروم جوڑے کو نوازنے سے مستقبل میں کئی گھمبیر مسائل و مشکلات جنم لے سکتے ہیں۔ جن میں بچوں کی آپس کی ناپسندیدگی سے پیدا ہونے والی نفرتیں، دشمنی، حسد، بغض، لڑائی جھگڑے، بھائی اور منہ بولی بہن کے مابین عاشقانہ میل ملاپ یا باپ کا منہ بولی بیٹی پر ہوس کی نگاہیں، منہ بولے بیٹے کا ماں اور جوان بہن پر بری نظریں اور سب سے بڑھ کر جائیداد کی تقسیم کے وقت ایسے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں جو زندگی بھر کا روگ دے سکتے ہیں۔

حوالہ جات

1. مشرف احمد (مرتبہ)، پریم چند کا تنقیدی مطالعہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۳۳
2. پریم چند (ترتیب وانتخاب طاہر منصور فاروقی) پریم چند کے بے مثال افسانے، الحمد پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۰۸ء، ص ۱۶۹
3. ایضاً، ص ۱۶۹-۱۷۰
4. ایضاً، ص ۱۷۲
5. رئیس امروہوی، نفسیات و مابعد النفسیات، ویلکم بک ڈپو، کراچی ۲۰۱۳ء، ص ۱۳۵-۱۳۶
6. ارشد جاوید، پروفیسر، سیکس ایجوکیشن سب کے لیے، بیسٹ بکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۸ء، ص ۱۳۷-۱۳۸
7. سلیم اختر، ڈاکٹر، عورت جنس اور جذبات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۹ء، ص ۱۶۷
8. شکیل الرحمن، ادب اور نفسیات، اشاعت گھر، پٹنہ، س۔ن ص ۶۳-۶۴
9. طاہر منصور فاروقی (مرتب)، پریم چند کے بے مثال افسانے، ص ۱۷۶
10. خالد سہیل شائزوفرینیا، نفسیات کے آئینے میں، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی ۱۹۸۸ء، ص ۷۵-۷۶

References in Roman Script:

1. Musharaf Ahmad (Murattaba) Prem Chand ka tanqidi mutaliaa Nafees Academy, Karachi 1986 Page, 33
2. Prem Chand (Tarteeb o Intikhab Tahir Mansoor Farooqi)Prem Chand ky bemesal afsanay Al-Hamad Publications, Lahore 2008, Page, 169
3. Ibid, Page, 169-170.
4. Ibid, Page, 172
5. Raees Amrohwi Nafsiyat o mabaad alnafsiyat, welcome book depot Karachi 2013, Page 135-136
6. 6) Arshad Javed, Professor, Sex Education sab ky liay, best books publications, 2018, Page 137-138
7. Saleem Akhtar, Dr, Aurat jens aur jazbat, sang meel publications, 1999, Page 167
8. Shakeel ur Rehman, adab aur nafsiyat, eshaat ghar, patna, Page 63-64
9. Prem Chand (Tarteeb o Intikhab Tahir Mansoor Farooqi (Prem Chand ky bemesal afsanay, Page 176
10 Khalid Sohail Shaizo freniya, nafsiyat ky Ayenay me, modern publishing house, Dehli 1998, Page, 75-76